اللہ تعالیٰ کو ادائیں وہی پسند آتی ہیں جن کا سچائی و خلوص سے تعلق ہو۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 27 ستمبر 1996ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کی:

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۲﴾ (الحدید: 22)

پھر فرمایا:

گزشتہ خطبہ میں جو مضمون چل رہا تھا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک اقتباس کے حوالے سے تھا اس کی چونکہ ابھی صرف دو سطریں ہی ختم ہوئی تھیں اس لئے میں نے وعدہ کیا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں اسی اقتباس کو اور اس سے تعلق رکھنے والے مضمون کو آگے بڑھاؤں گا۔ پہلے ایک اور آیت تھی جس کے تعلق میں یہ اقتباس پیش کیا جا رہا تھا اب ایک اور آیت ہے جس کے تعلق سے اقتباس پیش کیا جائے گا اور ان دونوں میں بھی گہرا تعلق ہے۔

لیکن اس سے پہلے کہ اس مضمون پر میں مزید روشنی ڈالوں یا اس آیت کریمہ سے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباس سے مزید روشنی حاصل کروں اور آپ کے ساتھ شریک ہوں میں یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ جماعت احمدیہ ماریشس کا آج سالانہ جلسہ شروع ہو رہا ہے اور اسی طرح

جماعت احمدیہ سپین کا بارھواں (12) سالانہ جلسہ شروع ہو رہا ہے اور ان دونوں جماعتوں نے بار بار اصرار کیا ہے کہ اس خطبہ جمعہ میں ان کا بھی ذکر خیر چلے اور ان کو مخاطب کر کے بھی کچھ باتیں کی جائیں۔ پس مضمون تو وہی رہے گا اس کے حوالے سے ان کو بطور خاص مخاطب کرنے کے لئے مجھے یاد آیا تو موقع محل کے مطابق وہ ذکر کروں گا مگر اس ابتدائی عمومی ذکر میں ہی ان لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ذکر جو آج یہاں چل رہا ہے یہ ساری دنیا میں اس وقت جہاں جہاں بھی جماعت احمدیہ کا سیٹلائٹ کے ذریعہ رابطہ قائم ہے وہاں چل رہا ہے اور دنیا کے ہر خطے میں چوبیس گھنٹے کے ہر منٹ یا ہر لمحے میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ باتیں پہنچ رہی ہیں اور جہاں جہاں بھی احمدی انہیں سن رہے ہوں گے طبعاً ان کے دل میں ان دونوں جماعتوں کے لئے خصوصیت سے دعا کی تحریک ہوگی اور یہ غالباً ان کا مقصد ہے۔ باقی نصیحتیں تو سب کے لئے مشترکہ ہی ہوا کرتی ہیں ہاں اگر کوئی ایسی بات ذہن میں آئی جو ان دونوں جماعتوں کو بطور خاص کہنی ہو تو انشاء اللہ میں اس کا ذکر کروں گا۔

یہ آیت کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَابِقُوٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ۔ سَابِقُوٓا میں تیزی سے بڑھنے کا مضمون ہے اور ایک دوسرے سے مسابقت کا مضمون بھی ہے۔ سَبَقَ کہتے ہیں ایسے شخص کو جو تیزی سے آگے نکل گیا یعنی ایک شخص جو آگے نکل جائے تیزی سے خواہ وہ شخص ہو یا گھوڑا بھی ہو اس کے لئے سَبَقَ کا لفظ آئے گا۔ سبقت لے گیا۔ مگر سَبَقَ کا مطلب ہے کہ مقابلہ میں سبقت لے گیا تو یہ مضمون زیادہ تحریص کی خاطر، زیادہ توجہ دلانے کی خاطر ایسا صیغہ بیان فرمایا ہے جس میں مغفرت کے تعلق میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے کا مضمون داخل فرما دیا۔ ہر شخص کے لئے مغفرت حاصل کرنے میں جلدی کرنی چاہئے، لیکن سَابِقُوٓا کہہ کر یہ فرما دیا کہ تم ایک دوسرے سے بھی مغفرت میں مقابلے کرو یعنی یہ مطلب نہیں کہ کھلم کھلے چیلنج دے کر مقابلے کرو مگر کوشش کرو کہ اپنے ان بھائیوں سے آگے بڑھو جو ہمیشہ مغفرت طلب کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور مغفرت طلب کرنے کی تائید میں ان کے اعمال رونما ہوتے رہتے ہیں۔ پس ایسا چیلنج نہیں کہ جو اکٹھا ایک لائن پہ کھڑا کر کے بھگایا جا رہا ہو۔ مراد یہی ہے کہ ہر مومن کو محض یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ میں آگے بڑھ رہا ہوں بلکہ باقیوں کو دیکھ کر اپنی حیثیت کی تعیین کرے۔ اگر مغفرت کے میدان میں اسے اپنے سے آگے بہت سے دکھائی دے رہے ہوں تو پھر مقابلہ کرے اور یہ کوشش

کرے کہ سب سے آگے بڑھ جائے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اپنے رب کی طرف سے مغفرت میں مقابلہ کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھو۔ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ اور جنت کی طرف آگے بڑھو جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی طرح ہے۔ اس میں بہت سے پہلو ہیں جو تفصیل طلب ہیں ان کی تفصیل میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں مگر یاد رکھیں کہ یہاں جنت کو اور مغفرت کو گویا ایک دوسرے کا متبادل پیش کیا گیا ہے یعنی اگر تم مغفرت کی طرف تیزی سے آگے بڑھو گے جنت کی طرف بھی آگے بڑھو گے اور گویا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور جہاں تک یہ مضمون ہے کہ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اگرچہ اسے محض جنت کی وسعت کے بیان کے تعلق میں پیش کیا جاتا ہے مگر میرے نزدیک اس کا تعلق ویسا ہی مغفرت سے ہے کیونکہ مغفرت کی وسعت کے ساتھ جنت کی وسعت کا تعلق ہے۔ جتنی بھی کسی کو خدا کی رحمت سے مغفرت نصیب ہوگی اسی قدر اس کی جنتوں کو وسعت ملے گی اور یہ دونوں مضامین ایک دوسرے سے باہم پیوستہ ہیں اور مغفرت کا تعلق چونکہ رحمت سے ہے اور رحمت ہر چیز پر حاوی ہے اور جنت بھی رحمت ہی کے نتیجہ میں ہے اس لئے یہ دونوں مضامین ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں اعمال کا ذکر نہیں اور جنت کا ذکر ہے۔ یہی وہ ایک مقام ہے جہاں کسی اور مضمون کے بیان کرنے کی بجائے محض مغفرت ہی کو جنت کی کنجی کے طور پر پیش فرمایا گیا ہے۔ اس لئے اس کو بہت غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے اور اس مضمون کو میں نے یہاں اس لئے اٹھایا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو اقتباس میں آپ کے سامنے رکھ رہا تھا اس میں خوف کے بہت سے پہلو ہیں اور جوں جوں وہ اقتباس آگے بڑھتا چلا جاتا ہے انسان بہت زیادہ خوف زدہ ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجزیہ کر کے، کھول کھول کر انسانی نفوس کے دھوکے اور وہ گناہ بیان کئے ہیں جن میں وہ ملوث ہوتا ہے اس کو پڑھتے پڑھتے ہر انسان کی طبیعت خوفزدہ ہو جاتی ہے کہ کہیں نہ کہیں اسے اپنی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ وہ ساری بیماریاں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہیں وہ تمام تر ایک شخص میں اگر ہوں تو وہ شیطان کا دوسرا مظہر ہوگا ایک اور شیطان اور اس شخص کے دو نام ہوں گے گویا کہ وجود ایک ہی

ہو گا۔مگر جب یہ بیماریاں بیان کی جاتی ہیں تو مراد یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ان عبارتوں کو پڑھتا ہے وہ اپنے نفس پر ان کا اطلاق کرتا ہوا آگے بڑھے اور جہاں بھی اس کا نفس اس کو متنبہ کرے کہ یہ تو تمہاری تصویر ہے وہاں ٹھہرے اور غور کرے اور پھر فیصلہ کرے کہ کس طرح اس الجھن سے نجات مل سکتی ہے۔اس مصیبت سے کہ انسان ایک گناہ میں پھنس گیا ہے اور نجات کی راہ دکھائی نہیں دیتی اس غیر معمولی خوفزدہ حالت سے نکالنے کے لئے مغفرت کا مضمون ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی مغفرت یعنی اللہ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اور مغفرت کی وسعت کے مضامین اور بھی بہت سے بیان ہوئے ہیں۔مگر اس آیت کریمہ میں مغفرت کی وسعت اور عظمت کا جو بیان ہے ویسا اور کسی آیت میں آپ کو نہیں ملے گا کہ مغفرت کو ہر دوسری چیز پر حاوی کر دیا گیا، ہر چیز سے وسیع کر دیا گیا اور جنت ہی کا نام مغفرت رکھ دیا ہے اور اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جنت کسی کے اعمال کے زور سے نصیب نہیں ہو سکتی کیونکہ عقل کے خلاف بات ہے کہ ایک انسان کو اپنے اعمال کی وجہ سے وہ جنت ملے جس کی وسعتوں کی انتہا کوئی نہیں۔انسانی اعمال اگر کامل طور پر اللہ کی رضا کے تابع بھی ہوں تب بھی انسانی زندگی محدود، اس کے عمل کے دائرے محدود اور ایک محدود چیز کی جو اپنی مکانیت کے لحاظ سے بھی محدود ہو، زمانی لحاظ سے بھی محدود ہو لامتناہی جزا اور ایسی وسعت والی جزا جس کا جنت میں نقشہ کھینچا جاتا ہے یہ عقل کے خلاف بات ہے یعنی اس کا سبب اور نتیجہ کے ساتھ تعلق نہیں ہے۔سبب بہت ہی محدود ہے اور نتیجہ بہت وسیع اور لامتناہی۔اس لئے اس مضمون کا مغفرت سے تعلق ہے اور مغفرت سے جب تعلق ہوتا ہے تو کمزور آدمی بھی اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور بہت بڑے بڑے پاکباز بھی اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس پہلو سے جو وسعت جنت کی بیان کی گئی ہے اس مضمون میں بھی وہی وسعت شامل ہو جاتی ہے یعنی یہ وہ مغفرت کی آیت ہے جو ذلیل ترین گنہگار کے اوپر بھی سایہ کئے ہوئے ہے اور وہاں بھی جو انسانی کمزوریاں اس بزرگ نبی کو اپنے اندر دکھائی دیتی ہیں ان پر بھی اس کی رحمت کا سایہ ہے۔

تو جہاں وسعتوں کا مضمون ہو وہاں اس سے بہتر انداز بیان اختیار ہو نہیں سکتا کہ مغفرت جنت ہی کا دوسرا نام ہے اور مغفرت کا سایہ اتنا وسیع ہے کہ اس سے کائنات کا کوئی پہلو باہر نہیں

رہتا۔ عرض کا معنی میں وسعت کر رہا ہوں کیونکہ عربی لغت میں اس کا ایک معنی وسعت بھی ہے۔ بہت سے معانی ہیں ایک معنی قیمت بھی ہے۔ اس لحاظ سے اس کا ترجمہ یہ بنے گا کہ اپنے رب کی طرف سے ایسی مغفرت کی طرف آگے بڑھو اور ایسی جنت کی طرف آگے بڑھو جس کی قیمت زمین و آسمان کی قیمت کے برابر ہے۔ مگر میں نے جو ترجمہ کیا ہے وہ بھی عربی لغت سے ثابت مگر اس سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کا تصدیق یافتہ ترجمہ ہے کیونکہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہؓ میں سے بعض نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کی جو وسعتیں ہیں ان تمام وسعتوں پر جنت حاوی ہے یعنی ان سے کم نہیں پوری کی پوری ان پر اتر رہی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو جہنم کہاں ہے؟ اس کا جواب رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں دیا کہ قیمت ہے یہ مراد جسے تم غلط سمجھ رہے ہو۔ آپؐ نے تسلیم کیا اور فرمایا کہ جہنم بھی وہیں ہے لیکن تم سمجھ نہیں سکتے ان باتوں کو۔

اس دور کا انسان ابھی اپنے علم میں اتنا آگے ترقی نہیں کر سکا تھا کہ وہ جہتوں کو سمجھ سکتا ہو اور Dimensions جو بڑھ رہی ہیں، انسانی تصور جن پر محیط ہوتا چلا جا رہا ہے اس کا کوئی ادنیٰ تصور بھی اس وقت موجود نہیں تھا صرف شش جہات تھیں جن سے وہ جانتا تھا اور ایک وقت کی جہت جس کو وہ شامل کر لے اس کے سوا اس کے سامنے کوئی چیز نہیں تھی اور شش جہات بھی دراصل تین جہات ہیں۔ اس کو ہم شش اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا ایک کنارا اگر یوں پھیلی ہوئی جہت ہے تو ایک بائیں طرف پھیلا ہوا سمجھتے ہیں اور ایک دائیں طرف پھیلا ہوا سمجھتے ہیں حالانکہ جو حساب دان ہیں وہ اس کو ایک جہت کہتے ہیں کیونکہ کسی ایک انسان کے حوالے سے تو ہے نہیں کہ وہاں کھڑا ہو تو اس کے بائیں طرف اور اس کے دائیں طرف یہ جہت ہے، لامتناہی پھیلی ہوئی ہے۔ تو جس کو ہم شش جہات اردو میں کہتے ہیں انگریزی میں اس کو Three Dimensions کہتے ہیں اگر وقت کو داخل کر لیں تو Four Dimensions۔ تو چار Dimensions میں گھرا ہوا انسان یہ تصور کر ہی نہیں سکتا تھا اس زمانے میں کہ کوئی چیز بھی ہے جہت کے اعتبار سے جو اپنی ضد کے ساتھ ایک جگہ اکٹھی ہو جائے۔

اب تین چیزوں کو اکٹھا فرمایا گیا ایک زمین و آسمان اور اس میں ہمیں جنت تو دکھائی دے ہی نہیں رہی کہیں۔ اس لئے پہلا سوال تو یہ اٹھنا چاہئے تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ ہے کہاں؟ جنت کہاں چلی گئی؟ ہم تو زمین و آسمان کو صبح بھی دیکھتے ہیں شام کو بھی، رات، دوپہر اور ہمیں تو یہ زمین

آسمان خالی خالی نظر آتے ہیں کوئی جنت ہی نہیں دکھائی دے رہی۔ تو اس سوال کا جواب جو انہوں نے دیا، اسی آیت کریمہ میں موجود تھا کہ جب یہ کہا گیا ہے کہ زمین و آسمان کی وسعت کے برابر ہے تو ظاہر بات ہے کہ یہ کوئی اور طرح کی چیز ہے جس کے مادی وجود جس سے متصادم نہیں ہوتے۔ گویا Dimensions اور ہیں۔ ایک ہی وقت میں، ایک ہی مقام، ایک ہی وقت کی قدر کو اکٹھا کر دیں تب بھی وہ ایک دوسرے کو دکھائی نہیں دیں گی، ایک دوسرے سے کوئی تعلق ہی قائم نہیں ہوگا۔

میں نے اس کی مثالیں بارہا دی ہیں کہ یہاں جو ریڈی ایشن ہے فضا میں اس کی جہتیں مختلف نہیں ہیں۔ یہ Three Dimensions یا Four Dimensions کے اندر ہے۔ اس کے باوجود محض اس کی لطافت کے فرق کی وجہ سے ہمیں محسوس نہیں ہوتی۔ اگر Dimensions بدل جائیں تو اس کے وجود کا کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا، اس کی نوعیت ہی نہیں سمجھ آسکتی۔ موجود رہے گی مگر کسی پہلو سے بھی انسان اس کو اپنے دائرہ تصور میں کھینچ کر لا نہیں سکتا۔ یہ Dimensions کا فرق ہے۔ لطافت کا فرق اور ہے۔ لطافت کے نتیجہ میں ٹیلی ویژن کی لہریں آپ یہاں نہ دیکھ رہے ہیں، نہ سن رہے ہیں مگر گھر جا کے ٹیلی ویژن ON کریں گے تو آپ ان کو پکڑ لیں گے۔ مگر کوئی ٹیلی ویژن ایسی نہیں ہے، نہ ہوسکتی ہے جو دوسری جہت کی اس چیز کو کھینچ لائے جو ہمارے ساتھ ہے مگر ہمیں معلوم نہیں ہے، ہمیں دکھائی بھی نہیں دے رہی، ہمیں تصور ہی نہیں ہے اس کا کوئی۔

تو یہ فرق ہیں جو قرآن کریم کی آیات بتاتی ہیں اور ایسا عظیم علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں آئندہ زمانوں کی باتیں ہورہی ہیں جس کا وہم و گمان بھی انسان نہیں کرسکتا تھا کسی انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا، یہ ناممکن ہے۔ پس اسی آیت کریمہ نے یہ مضمون پیش کیا ہے کہ تین چیزیں ایک دوسرے سے مل گئی ہیں جہنم بھی یہیں ہے، جنت بھی یہیں ہے اور یہ دنیا جس میں ہم بس رہے ہیں یہ زمین و آسمان یہ بھی یہیں ہیں اور ان کی وسعتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور کیسے ملتی جلتی ہیں ''ک'' کے لفظ نے ہمیں دعوت دی ہے کہ غور کریں اور معلوم کریں یہ وسعتیں کیا ہیں اور جو فرق ہے جہنم اور جنت کے درمیان وہ مغفرت کا ہے، صرف اعمال صالحہ کا سوال نہیں کیونکہ اعمال صالحہ اگر اپنی انتہا کو بھی پہنچ جائیں تو جیسا کہ میں نے ثابت کیا ہے ان کی منصفانہ جزا یہ نہیں ہوسکتی۔ جتنے اعمال

اس کو دس گنا کر دیں سو گنا، ہزار، لاکھ گنا کر دیں محدود اعمال کی لامتناہی جزا تو عقل میں آ ہی نہیں سکتی اس لئے اس کا مغفرت سے تعلق ہے اور بہت ہی اہم مضمون ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے انسان کو بھی ایک حیرت انگیز طور پر خوش خبریوں، لامتناہی انعامات کی دعوت دے دی گئی اور عظیم سے عظیم انسان کو بھی انکسار سکھا دیا گیا کہ یہ جو عظمتیں اور وسعتیں ہیں یہ تمہیں اللہ کے فضل سے ملیں گی اس کے بغیر تو ممکن نہیں۔ چنانچہ اس کے معاً بعد یہی فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ یہ باتیں فضل کی ہیں۔ فضل جیسے ''جھونگا'' دیا جاتا ہے ''جھونگے'' کا نام ہے مگر بندوں کے جھونگے اور اللہ کے جھونگے میں دیکھو کتنا فرق پڑ گیا ہے۔ بندہ ایک چیز خریدتا ہے اس کی قیمت ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ معمولی سا کچھ اور حاصل کر لیتا ہے جھونگے کے طور پر اور جو رقم دیتا ہے وہ اس چیز کے برابر ضرور ہوتی ہے جو چیز خریدی جا رہی ہے۔ مگر خدا کے سودے دیکھو بندوں سے کیسے عجیب ہیں۔ وہ رقم بھی نہیں دیتا جس سے اس کے عمل کے برابر جزائیں مل سکیں۔ اکثر اعمال کھوکھلے، ننگے، دھوکے، انسان ساری زندگی غفلت کی حالت میں بسر کر دیتا ہے سمجھتا ہے کہ میں بڑے نیک اعمال کر رہا ہوں ہاتھ پلّے کچھ بھی نہیں ہوتا اور اللہ اس گھٹیا سی چیز کو جس میں کچھ نیکی کا عنصر بھی آ جائے اس کو قبول فرمالیتا ہے اور پھر جھونگا وہ جو لامتناہی ہے۔ قیمت وہ جو وصول ہی نہیں ہوئی اور اس کے برابر نہیں دے رہا بلکہ ایسا دے رہا ہے کہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ وہ مضمون، یہ وہ بات ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اس موقع پر یوں کھول دیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یہ نہ سمجھنا کہ تم اپنے اعمال کے نتیجہ میں کچھ بھی حاصل کر سکو گے، مغفرت ہے جس کے نتیجہ میں اعمال نظر انداز ہو جائیں گے۔ مغفرت کی چادر یہ نہیں دیکھا کرتی کہ اعمال کیسے ہیں۔ جب وہ ڈھانپ لے گی تو ہر کمزوری کو ڈھانپ لے گی اور وہ چادر اتنی وسیع ہے کہ زمین و آسمان کی وسعتوں پر محیط ہے۔

اور اب وسعتوں کا حال بھی عجیب ہے۔ ان پر آپ غور کریں تو وہ وسعتیں لامتناہی نہیں بلکہ ہمیشہ آگے بڑھتی چلی جانے والی ہیں۔ لامتناہی ان معنوں میں ہیں یعنی کہ ہمیشہ آگے بڑھتی چلی جانے والی ہیں۔ اب زمین و آسمان اور کائنات کا تصور جس لمحے بھی آپ باندھیں گے کہ یہ اتنا فاصلہ ہوگا اسی لمحے آپ غلط ثابت ہو جائیں گے کیونکہ وہ فاصلے اور بڑھ چکے ہوں گے اور اس تیزی سے بڑھ رہے ہیں کہ انسانی تصور اس کا ادنیٰ سا حصہ بھی پا نہیں سکتا کیونکہ ایک سیکنڈ میں اگر آپ لاکھوں

حصّہ کی رفتار کے ساتھ بھی سوچ رہے ہوں، ایک سیکنڈ کے لاکھویں حصے کے حساب سے بھی تو زمین و آسمان کی وسعتیں اس سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہیں اور انسان کو ایک سیکنڈ کے لاکھویں حصے میں سوچنے کی طاقت ہی نہیں ہوتی بہت معمولی سے طاقت ہے۔ اتنی معمولی سی ہے کہ اگر فلم کو اٹھارہ فریم فی سیکنڈ کے لحاظ سے آگے بڑھایا جائے تو انسانی دماغ یہ معلوم ہی نہیں کر سکتا کہ کھڑی چیز ہے یا چلتی چلی جارہی ہے۔ یہ تو اس کی وسعت کا حال ہے اور وعدے وہ دیئے جارہے ہیں جو لامتناہی، کبھی ختم نہ ہونے والے اور آگے بڑھتے چلے جانے والے۔

تو یہ خدا کے مغفرت کے سودے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ بلا رہا ہے۔ اس کے لئے سَابِقُوْٓا کا لفظ فرمایا کہ جلدی کرو، ایسی حالت میں نہ مرجانا کہ تمہیں مغفرت نصیب نہ ہوئی ہو۔ تم اگر مغفرت کے نصیب ہونے سے پہلے مر گئے تو کچھ بھی ہاتھ میں نہیں رہے گا۔ پس بہت ہی اہم مضمون ہے اور اس میں جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے نتیجہ میں انسان کے دلوں کو ٹھہرایا گیا ہے ورنہ وہ ہاتھ سے نکل جاتے گناہوں کے تصور سے، ان کو سنبھالا گیا ہے۔ وہاں خوف بھی دلایا گیا ہے کہ سنبھلنے کے دن خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے ہیں جہاں مغفرت کا تصور تمہیں سنبھالے رکھے گا جب آنکھیں بند ہوئیں تو مغفرت کا مضمون ہاتھ سے نکل جائے گا اس سے پہلے پہلے حاصل کرلو اور اس معاملے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تیز رفتاری کے ساتھ مغفرت کی طرف آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

پس جہاں مغفرت کا مضمون ہے وہاں گناہوں کو جرأت نہیں دلائی جارہی بلکہ نیکیوں کو جرأت دلائی جارہی ہے۔ یہ بھی عجیب اس کلام الٰہی کا کمال ہے کہ جب اتنی بڑی مغفرت کا مضمون ہو تو گنہگار انسان تو یہی سمجھے گا کہ اب میں یہیں بیٹھ رہوں جب مغفرت لامتناہی ہے تو میرے گناہوں کی کیا بات ہے میں تو بخشا ہی جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما رہا۔ متنبہ کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ گناہ چھوڑنے میں جلدی کرو کیونکہ مغفرت کا تعلق گناہ چھوڑنے کی کوشش سے ہے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھو کیونکہ تمہیں پتا کوئی نہیں اس کا وقت کب آئے گا، تمہارا وقت کب آئے گا۔ اگر اس نے پہلے سے زیادہ کمائیاں کرلی ہوں تم سے زیادہ کمائیاں کرلی ہوں اور تم جلدی مرجاؤ تو تم اس سے بہت پیچھے رہ جاؤ گے اس لئے اس حرص کے ساتھ آگے بڑھو کہ کہیں وہ زیادہ ہی نہ لے گیا ہو مجھ سے۔ یہ زیادہ کی تمنا بعض دفعہ لطیفوں کی صورت میں بھی بیان ہوتی ہے مگر وہ لطیفے دراصل انسانی فطرت کی

نقاشی کرتے ہیں ۔ان میں محض ہنسی کی بات نہیں بہت سنجیدہ پیغامات ہوتے ہیں ۔پس جیسا کہ میں نے ایک دفعہ آپ کے سامنے پہلے بھی بیان کیا تھا ایک اندھے نے ایک سوجا کھے کے ساتھ مل کر، پیسے ڈال کے حلوہ بنوایا اور یہاں کے ملکوں میں تو اس کی کوئی بھی قیمت نہیں ہے مگر غریب ملکوں میں بڑی قیمت ہے کیونکہ وہاں تو شعراء بھی یہ کہتے ہیں کہ **''ہر روز عید نیست کہ حلوہ خورد کسے''** کہ روز روز عید نہیں ہوا کرتی کہ وہ حلوہ کھائے اوران ملکوں میں تو اس کا وہم وگمان بھی نہیں آسکتا کہ سال میں ایک دن کسی عید میں بعض لوگوں کو حلوہ ملتا ہے تو میں اس ملک کی بات کر رہا ہوں یہ مغرب کے حافظ صاحب نہیں تھے بلکہ مشرقی ملک کے رہنے والے تھے۔تو انہوں نے بے چاروں نے کچھ پیسے جوڑے، کچھ ایک سوجا کھے نے اور دونوں نے مل کر حلوہ تیار کروایا۔جب کھانے لگے تو کچھ دیر کے بعد حافظ صاحب کو خیال آیا مجھے کیا پتا یہ کتنا تیز کھا رہا ہے ۔میں اندھا بے چارہ، پیسے برابر کے ہیں تو مجھے تیز کرنا چاہئے کچھ۔اس نے ذرا رفتار تیز کر دی جلدی جلدی لقمے کھانے شروع کر دیئے۔تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا کہ مجھے کیا پتا کہ وہ ایک ہاتھ سے کھا رہا ہے کہ دو ہاتھ سے کھا رہا ہے تو چلو دونوں ہاتھوں سے کھاتے ہیں ۔اس نے دونوں ہاتھوں سے کھانا شروع کر دیا اور وہ بے چارہ جو دوسرا تھا وہ حیران ہو گیا حافظ صاحب کو دیکھ کے کہ یہ کر کیا رہے ہیں ۔وہ تو کھانا ہی چھوڑ بیٹھا ۔وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔کھاتے کھاتے حافظ صاحب کو خیال آیا کہ کوئی ترکیب اس نے کی ہوگی مجھے نظر نہیں آ رہی ۔حلوہ سارا اٹھایا انہوں نے کہا جی باقی میرا حصہ ہے۔تو اندھے کو بھی جو چیز پسند ہے اس میں سبقت کی روح تو ہے نا اور جس کو نظر نہیں آ رہا۔ہم بھی تو اندھے ہی ہیں۔ہمیں نہ اپنے اعمال نظر آ رہے ہیں نہ یہ پتا ہے کہ کب مرنا ہے ۔زمین وآسمان کی حقیقت سے ناآشنا یہ پتا نہیں کہ کب خدا کی مغفرت نصیب ہو سکتی ہے،کون سا عمل ہے جو اسے پسند آ جائے گا۔تو اس دنیا کے اندھے سے بہت بڑھ کر سبقت کی روح اختیار کریں ۔اس میں ہنسی کی بات نہیں ہے۔آپ دونوں ہاتھوں سے مغفرت طلب کریں ،سارا تھال اٹھا لیں اعمال کا تب بھی محدود رہیں گے اور جو مغفرت کا مضمون ہے وہ آگے بہت آگے بڑھ جائے گا۔اس کی جو وسعت ہے وہ وسعت والی مغفرت آپ کے ان اعمال سے نصیب نہیں ہو سکتی وہ فضل سے نصیب ہوگی اور فضل کا وعدہ ہے اگر کوشش کرتے رہو۔تو اگر کوشش کرو کہ اللہ ہمیں ان محدود، گندے، ناپاک اعمال کے نتیجہ میں بھی بخش دے تو اس طرف بڑھنے کی ضرورت ہے یعنی اپنے

اعمال کو رفتہ رفتہ جہاں تک ممکن ہو ان گندے اعمال کو دور کر کے نیک اعمال میں داخل ہونے کی سعی، مسلسل سعی بلکہ سبقت لے جانے کی کوشش اور پھر آخر پر پھر وہی بات کہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد پھر بھی پتا نہیں کیا حالت ہے تو پھر اس دنیا کے اندھے کی طرح نیک اعمال پر ایسے ہاتھ مارو کہ گویا کہ سب کچھ سمیٹنے کی کوشش کر رہے ہو۔ اس حالت میں اگر موت آتی ہے تو خدا کا یہ وعدہ لازماً پورا ہوگا سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ اس مغفرت کی طرف آگے بڑھو یعنی اس جنت کی طرف ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، ان کا عرض، ان کا پھیلاؤ، ان کی وسعتیں زمین اور آسمان کی وسعتوں کی طرح ہیں۔ لامتناہی ہیں۔ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ جلدی کر لو کیونکہ تمہاری زندگی محدود ہے یہ جنتیں محدود نہیں ہیں اور لامتناہی جنتوں کی طرف بلانے کا عمل فضل اللہ کے بغیر ممکن نہیں اس لئے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے فضل طلب کرتے رہو اور وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ میں ان وسعتوں سے بھی زیادہ مضمون بیان ہو گیا ہے جو پہلے پیش کی گئی ہیں کیونکہ لفظ عظیم ایک معنی میں اعظم سے بھی زیادہ وسیع لفظ ہے۔ اس لئے اللہ کا نام اعظم نہیں رکھا۔ خدا تعالیٰ نے خود اپنے نام کو اعظم کے طور پر پیش نہیں فرمایا کیونکہ اعظم میں پھر بھی مقابلہ ہے کوئی چھوٹی چیزیں بھی ہیں۔ مگر عظیم میں اصل میں یہ معنی ہے کہ اس کے سوا عظمت ہے ہی کسی کو نہیں۔ اعظم اگر کہا جائے تو مراد ہے دوسرے بھی عظیم لوگ ہیں وہ نسبتاً کم عظمت والے ہیں خدا نسبتاً زیادہ عظمت والا ہے مگر عظیم میں ایک ایسی حیرت انگیز شان ہے کہ وہ کامل طور پر عظمت کے مضمون کو سمیٹ لیتی ہے، اس میں مقابلہ کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ وہی عظیم ہے اور کوئی عظیم ہے ہی نہیں، ہر عظمت اس کی ہے۔ اس کے سوا کسی اور کی عظمت نہیں۔

حمد و ثنا والے مضمون میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے اسی رنگ میں کہ ''**عظمت ہے اس کی عظمت**''۔ اب دیکھیں قرآن کریم سے کتنا گہرا تعلق ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، لیکن پڑھنے والا اگر غور نہیں کرے گا تو اسے نہیں سمجھ آئے گی۔ ''**عظمت ہے اس کی عظمت**'' سے مراد یہ ہے کہ اور کسی کی عظمت ہے ہی کچھ نہیں۔ یہ وہم دل سے نکال دو۔ مقابلے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایک ہی جو عظیم ہے۔ تو وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ میں وہ جو وسعتوں والی جنت ہے اس سے بھی زیادہ وسیع تصور پیش فرمایا گیا ہے اور اس تصور نے ایک

اور مضمون پیدا کر دیا کہ انسان جو اس کائنات کو بہت وسیع سمجھتا ہے اس سے زیادہ اس کا تصور پہنچ ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ بعض سائنس دان اور اونچے درجے کے حساب دان یہ سمجھتے ہیں کہ حسابی رو سے اس کائنات کے سوا دوسری کائنات ہو ہی نہیں سکتی بس یہی ہے لیکن اب جو نئی دریافتیں ہو رہی ہیں ان سے یہ امکانات کھل رہے ہیں اور وہ حیران اور ششدر رہ گئے ہیں کہ یہ کائنات بھی کسی اور طرف متحرک ہو رہی ہے، وسعتوں کے علاوہ کسی اور طرف بڑھ رہی ہے اور وہ کیا چیز ہے جس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ کوئی کشش ہونی چاہئے اس میں۔ اگر ہے تو وہ کیا ہے۔ اس کی ہمیں کوئی خبر نہیں۔

تو وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ تم کائنات کے حوالہ سے یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ خدا کے پاس بس یہی کچھ ہے جو تمہیں دے گا۔ تمام کائنات کی وسعتیں بھی مانگ لو تب بھی خدا کے خزانے ختم نہیں ہوتے اور یہی مضمون ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بعینہٖ اسی طرح ہمیں سمجھایا۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ ساری کائنات بھی اس سے مانگ لو تو اس کے فضلوں میں تو کوئی کمی نہیں آئے گی، اس کی طاقتوں میں، اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اتنی بھی نہیں آئے گی جیسے سوئی کو کسی وسیع سمندر میں ڈبو کر باہر نکال لو اس کے ناکے پہ جتنا پانی چمٹا ہو گا اتنی کمی بھی نہیں آئے گی اللہ کے خزانوں میں اگر تم اس ساری کائنات کو مانگ لو۔ تو وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ نے اس مضمون کو بے انتہا وسعت عطا فرما دی ہے مگر فضل کے طالب ہمیشہ رضا پر نظر رکھا کرتے ہیں۔

مغفرت کے ساتھ جہاں رحمت کا تعلق ہے وہاں فضل کے ساتھ رضائے باری تعالیٰ کا تعلق ہے۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کوئی استدلال نہیں، ایک انسان کی کوئی ادا کسی کو پسند آ جائے اسے جو چاہے دے جتنا چاہے دے۔ اس کا مغفرت سے تعلق نہیں ہے کیونکہ مغفرت میں تو اس کی کمزوری کے نتیجہ میں سزا نہ دینے کا مضمون ہے، اس کی غفلت کے نتیجہ میں اسے بعض نعمتوں سے محروم نہ کرنے کا مضمون ہے۔ فضل کا مضمون اس سے آگے بلند تر مضمون ہے جس میں پسند کی بات ہے۔ اب بعض لوگ ایسے بھی ہیں ساری عمر گناہوں میں مبتلا ان کی کوئی ایسی ادا خدا تعالیٰ کو پیاری لگتی ہے کہ سارے گناہ بخش دیئے لامتناہی جنتوں میں داخل کر دیا یہ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ کے ساتھ تعلق ہے اور اس کے لئے ہمیشہ انسان کو رضا کا طالب رہنا چاہئے۔

مغفرت کے طالب کے لئے اپنے گناہوں پر نظر رکھ کر ان کو کم کرنے کی کوشش کرنا ہے۔اس کوشش میں وہ کامیاب نہ بھی ہو تو اللہ کی مغفرت اسے ڈھانپ سکتی ہے لیکن نیت کا خلوص لازمی ہے۔نیت صاف ہو، سچی ہو، کوشش ضرور ہو اور جاری رہے اور کسی مقام پر ٹھہرے نہیں اور کوشش یہ ہو کہ رفتار بڑھتی رہے، کم نہ ہو۔ یہ ہے وہ مضمون جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا وعدہ ہے جو لامتناہی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس حد تک لامتناہی کہ کائنات کی وسعتوں پر محیط ہے اور انسانی جنت بھی جو انسان کو ملے گی وہ بھی کائنات کی وسعتوں پر محیط ہے لیکن اس کا دائرہ بڑھ رہا ہے اور آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔فضل یہ کہتا ہے کہ ایسی باتیں کیا کرو جو پیاری لگیں۔بعض دفعہ کسی کی ایک ادا ہی ایسی پیاری لگتی ہے کہ انسان اس کو اپنا دل دے بیٹھتا ہے اور ہمیشہ کے لئے اسی کا ہو جاتا ہے۔چھوٹی سی بات ہوتی ہے۔اب وہ بادشاہ جہانگیر جس نے نور جہاں کو دل دے دیا تھا۔ایک لونڈی تھی۔دل اتنی سی بات پہ دیا کہ اس سے ایک بھولے پن کی ادا نکلی۔اس نے اس کو دو کبوتر پکڑائے تھے کہ یہ کبوتر میں تمہارے پاس رکھا رہا ہوں ان کو ذرا مضبوطی سے پکڑے رکھنا میں ابھی کام کر کے آؤں گا تو تم سے لے لوں گا۔اس بے چاری سے، ڈھیلا ہاتھ تھا، وہ شاید رحم دل تھی زور سے نہیں پکڑا ایک کبوتر ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا۔جب بادشاہ واپس آیا تو اس نے اس سے پوچھا کہ ہیں! ایک کبوتر!! میں تو تمہیں دو دے کے گیا تھا۔اس نے کہا اڑ گیا، کہ کیسے اڑ گیا؟ اس نے دوسرا ہاتھ چھوڑ دیا کہ ایسے اڑ گیا۔کیسے کا مضمون یہ سمجھی کہ طریقہ پوچھ رہے ہیں کیسے اڑا۔اس ادا پہ وہ بجائے اس کے کہ ناراض ہوتا فریفتہ ہو گیا اور اس سے وہ شادی ہوئی جس کے نتیجہ میں ہندوستان کی تاریخ میں عظمتوں کے رنگ بھرے گئے۔بہت عظیم شادی تھی یہ بادشاہوں کی تاریخ میں اور بات ایک بھولی سی ادا تھی جو بظاہر نقصان کی تھی۔تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے پیار سے بعض دفعہ دیکھتا ہے کہ چھوٹی سی ادا بھی اس کو پیاری آتی ہے جو بظاہر نقصان کی ادا ہے۔

اس مضمون کو آنحضرت ﷺ یوں بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے لطف سے اس بندے کو دیکھ رہا ہے بہت ہی پیار کرتا ہے، پیار سے اس کو یہ بات پسند آئی کہ ایک دعا کرنے والے نے اس جوش میں کہ میں اپنا انکسار ظاہر کروں خدا کو یہ کہنے کی بجائے کہ اے میرے رب! تو میرا رب میں تیرا بندہ، یہ کہہ دیا کہ اے میرے رب میں تیرا رب اور تو میرا بندہ۔اب کتنا کفر کا کلمہ ہے، مولوی ہوتا تو وہیں

ختم کر دیتا اسے لیکن اللہ ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ اس کو ایسا پیار آیا اس ادا پر کہ جان بوجھ کے نہیں کیا، محبت کے جوش میں افراتفری کے عالم میں خدا کو بندہ کہہ بیٹھا ہے اپنے آپ کو رب کہہ بیٹھا ہے اور اللہ اسی پہ پیار کی نظر ڈال رہا ہے۔ تو اس کے ہاں ہر ادا مطلوب ہو سکتی ہے اس میں کوئی گہرا حسن ہونا چاہئے جو اس کے فطرت کے خلوص کا مظہر ہو اس کی اداؤں کی سچائی ہو۔

تو اس کی تلاش کرو اور ایک ہی ذریعہ ہے اس کی تلاش کا کہ اپنے آپ کو سچا کر لو کیونکہ جہاں بھی خدا کی ایسی اداؤں پر پیار کی نظر کا مضمون ملتا ہے وہاں میں نے غور کر کے دیکھا کہ ہر جگہ سچائی کے نتیجہ میں یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ اگر نور جہاں نے بناوٹ سے وہ بات کی ہوتی تو اس زمانے کے بادشاہوں کے نزدیک تو وہ گردن زدنی تھی۔ اگر وہ ذہین بادشاہ بناوٹ کے کوئی بھی آثار دیکھتا تو ہو سکتا تھا اسے دیوار میں چنوا دیتا لیکن صرف سچائی تھی اور سچائی کے نتیجہ میں غلطی بھی پیاری لگتی ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کا فضل اللہ سے تعلق ہے اس کو سمجھیں اور مغفرت کی کوشش کا جہاد تو کرنا ہی کرنا ہے کیونکہ اگر نہیں کریں گے اور محض فضل کے لئے بیٹھے رہیں گے تو یہ سچائی کے خلاف ہوگا اور فضل سچائی کے نتیجہ میں اترتا ہے سب سے زیادہ فضل سچوں کو ملتا ہے۔

تمام انبیاءؑ کو نبوت کا فیض فضل کے نتیجہ میں ملا ہے اور فضل کے بغیر نبوت مل ہی نہیں سکتی کیونکہ فضل میں اس کی کوششوں، محنتوں، اس کی انتہا سے زیادہ دینے کا مضمون ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا ایسا جھونگا جو اصل سے بے انتہا آگے بڑھ جائے اس کی کوئی بھی نسبت باقی نہ رہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا ذکر سورہ جمعہ میں ملتا ہے پھر آپؐ کی بعثت ثانیہ کا ذکر ملتا ہے اور آخر پر تان اس بات پر ٹوٹی ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ یہ عظیم نعمتیں جو تمہیں بتائی جارہی ہیں پہلے ایک بار، پھر اس کا اجراء نعمت کا ایک ایسے زمانے میں جو بہت دور کا زمانہ ہے وہاں جا کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فیض پھر نازل ہو جائے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اللہ ہے جو فضل نازل فرماتا ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ پر کیا بغیر وجہ کے دیتا ہے؟

خدا کے ہاں ایک گہری اندرونی منطق ہے ایک ایسا انصاف کا مضمون ہے جو فضل کے

ساتھ ساتھ جاری ہے اور بہت لطیف ہونے کی وجہ سے بعض دفعہ دکھائی نہیں دیتا مگر گہرے نظام پر ہر چیز مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ادائیں وہی پسند آتی ہیں جن کا سچائی سے تعلق ہے اور خلوص سے تعلق ہے اور اس کے بغیر کوئی ادا اس کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ جب ایسی بات کوئی دیکھ لے پھر خدا اس کو اپنا دل دے دیتا ہے اور فضل کے مضمون کا تعلق دل دینے سے ہے اصل میں۔ جس طرح ایک عظیم مغل بادشاہ نے ایک اپنی لونڈی کو دل دے دیا وہ دل دے بیٹھا تو اپنی ساری سلطنت دے دی، سب سے عظیم مقام دے دیا۔ اب کبوتر اڑانے سے اس سلطنت کا کیا تعلق ہے۔ یہ مضمون دل دینے کے مضمون کے سوا سمجھ آ ہی نہیں سکتا تو وہ دل دے بیٹھا۔ تو اللہ بھی گویا اپنے بندوں کو ان کی بعض حقیر سی پیاری سی ادا پہ جو حقیر تو ہے مگر پیاری ہے دل دے بیٹھتا ہے جب دل دے بیٹھتا ہے تو سارا اس کا فضل، اس کی ساری عظمتیں اس کو عطا ہونے لگتی ہیں۔

اس مضمون کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت ہی عارفانہ رنگ میں بیان فرمایا ہے لیکن ابھی تو اس کی باری ہی نہیں آئی جو پہلا اقتباس میں پڑھ رہا تھا یہ تمہید میں نے اس لئے باندھی تھی کہ میں آپ کو بتاؤں کہ آپ ڈریں گے بہت اس اقتباس سے، بعضوں کی تو جان نکل جائے گی ڈر کے مارے کہ یہ اگر ہیں بخشش کے تقاضے اور دنیا میں نئی زندگی پانے کے تقاضے تو ہم تو گئے۔ ان کو بتاتا ہوں کوئی بھی نہیں جائے گا اگر وہ ان باتوں پہ نظر رکھے جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں کہ مغفرت کی طرف آگے ضرور بڑھو۔ جتنی طاقت ہے اتنا بڑھو اور پھر یقین رکھو کہ مغفرت نصیب ہو جائے تو تمام کائنات کی نعمتیں نصیب ہو گئیں اور وہ نعمتیں نصیب ہوں گی جو بڑھتی چلی جائیں گی اور پھر فضل کا مضمون اس پر مستزاد ہے جو میں بیان کر چکا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں (یہ میں شاید پڑھ چکا تھا یا نہیں) کہ:

> ''ہر ایک امیر خدا کے حقوق اور انسان کے حقوق سے ایسا ہی پوچھا جائے گا جیسا کہ ایک فقیر''

یہ پڑھ لیا تھا پچھلی دفعہ؟ بعض کہتے ہیں پڑھ لیا بعض نہیں میں پھر بھی پڑھ دیتا ہوں کوئی حرج نہیں، امیر بھی اسی طرح پوچھا جائے گا جیسے ایک فقیر۔ اب کیا اس میں ناانصافی ہے۔ امیر کو تو اور طرح پوچھنا چاہئے فقیر کو اور۔ فقیر بے چارہ تو غریب ہے لیکن وہی مضمون آپ کو بتا رہا ہوں کہ خدا کے ہاں

نہایت لطیف توازن ہے۔امیر کس نے بنایا؟ خدا نے بنایا اور فقیر کس نے بنایا؟ وہ بھی تو خدا ہی نے بنایا ہے۔اس لئے پوچھنے میں فرق نہیں کرے گا۔امیر کو اس کی حیثیت کے مطابق پوچھا جائے گا یہ مضمون ہے اور فقیر کو بھی اس کی حیثیت کے مطابق پوچھا جائے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ صرف امیر ہی نیکی کر سکتا ہو یا عطا کر سکتا ہو، فقیر بھی عطا کر سکتا ہے اور بعض دفعہ فقیروں کی عطائیں امیروں پر سبقت لے جاتی ہیں۔تو جب انعام کا مضمون جاری ہوگا تو پھر پکڑ اور سزا کا مضمون بھی جاری ہوگا ہاں ان کی غلطیاں، ان کے ماحول کے مطابق دیکھی اور پرکھی جائیں گی اور استطاعت کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے گا۔

لیکن یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فقرہ یاد رکھنے کے لائق ہے ''بلکہ اس سے بھی زیادہ''۔اس سے بھی زیادہ کا پھر کیا مضمون ہے۔ایک طرف فرماتے ہیں ہاں اسی طرح دیکھا جائے گا۔اس سے بھی زیادہ سے وہ مضمون مراد ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے کہ امیر کو چونکہ نعمتیں زیادہ ملی ہیں اس لئے اس کی ذمہ داریاں پھیل گئی ہیں۔ان معنوں میں امیر سے زیادہ پوچھا جائے گا کیونکہ فقیر کے پاس تو ہے ہی تھوڑا سا۔کسی کو آپ چار آنے دیں کہ چار آنے کا سودا لے آؤ اور پھر اس سے حساب کریں تو وہ ایک منٹ کے تھوڑے سے حصے میں حساب ہو جائے گا۔دو پیسے کا تیل لیا ایک پیسے کا فلاں لیا۔کسی کو لاکھ روپیہ دیں تو حساب میں وقت لگتا ہے۔تو زیادہ پوچھنے سے یہ مراد ہے کہ چونکہ امیر کی استطاعت زیادہ ہے اس لئے اس سے زیادہ تفصیلی حساب ہوگا بہ نسبت ایک غریب کے جس کی استطاعت ہی تھوڑی ہے۔

''پس کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو اس مختصر زندگی پر بھروسہ کر کے بکلّی خدا سے منہ پھیر لیتا ہے'' (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ: 71)

پس کیا ہی بدقسمت وہ شخص ہے جو اس عارضی دنیا پر، معمولی سی زندگی پر بھروسہ کر کے بکلّی خدا سے منہ پھیر لیتا ہے۔آپ سے میں نے گزشتہ خطبہ میں گزارش کی تھی کہ یہ مضمون ''کشتی نوح'' کے حوالے سے پڑھیں تو پھر آپ کو سمجھ آئے گی یہ اس کا دوسرا کنارا ہے جو بیان ہو رہا ہے۔کشتی نوح کے مضمون میں یہ تھا کہ ادنیٰ سی بھی غفلت کرے گا تو مارا جائے گا۔مطلب ہے کہ وہ سزا کے نیچے آ جاتا ہے، ایسی تلوار کے نیچے آ جاتا ہے جو ٹوٹ کے گر سکتی ہے اس کے اوپر۔یہاں چونکہ مغفرت کے مضمون کے ساتھ تعلق ہے اس

لئے فرمایا ہے کہ جتنا بھی تم بے اعتنائیوں میں آگے بڑھو اگر کُل تعلق نہ توڑ بیٹھو تو امکان ہے کہ تم بچ جاؤ۔ اس لئے کیا ہی بدقسمت ہے وہ شخص جو دنیا کی زندگی پر بھروسہ کرتے ہوئے بکلّی خدا سے منہ پھیر لیتا ہے۔ کلی والوں کے لئے مغفرت کا کوئی مضمون نہیں ہے۔

جن کی برائیاں، زندگی کی بدیاں ان کو گھیرے میں لے لیں اور پھر خدا سے کلیۃً غافل ہو جائیں ان کی دنیا ہی بدل جاتی ہے وہ اور ہی قسم کے لوگ بن جاتے ہیں۔ بعض ملکوں میں بھاری کثرت ان لوگوں کی ہے جو بکلّی خدا سے منہ پھیر بیٹھے ہیں اور یہ زمانہ بڑا نازک ہے جس میں ہم اس وقت گزر رہے ہیں۔ تو یاد رکھو کہ اگر انسان خدا سے جدائی کرتے کرتے بغیر کسی ضمیر کی آواز کے آگے بڑھتا چلا جائے یا یوں کہنا چاہئے ضمیر کی آواز پر دھیان دیئے بغیر آگے بڑھتا چلا جائے تو لازماً ایک ایسا مقام آئے گا جہاں وہ حد سے گزر جائے گا اور اس سے تجاوز کرنے کے بعد پھر واپسی کی راہ کٹ جاتی ہے، تو وہ راہیں ہیں۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان راہوں یا ان حدود کی نشان دہی کر رہے ہیں جن حدود سے آگے پھر مغفرت کا مضمون ختم اور پکڑ اور جہنم کا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ تو یاد رکھو کہ وہ شخص بڑا ہی بدنصیب اور بدقسمت ہے جو مختصر زندگی پر بھروسہ کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اتنا دل لگا بیٹھتا ہے کہ گویا خدا اس کے تصورات سے باہر نکل چلا ہے، اس کا کوئی وجود ہی باقی نہیں رہا۔ اگر یاد آتا ہے تو ایک خادم کے طور پر یاد آتا ہے کہ یہاں ضرورت پڑی ہے اے خدا! میرا کام کر دے۔

بیمار ہوتا ہے تو یاد آنے کا یہ مطلب نہیں کہ بکلّی نہیں نکلا، بکلّی نکلا ہوا ہے اور یاد خدا کے طور پر نہیں آتا بلکہ نوکر کے طور پر آتا ہے۔ ایک متکبر شخص اپنے سے ادنیٰ وجود کو جس طرح سمجھتا ہے کہ میری خدمت کے لائق بنایا گیا ہے جب ضرورت پڑے گی آواز دے گا تو خدا سے وہ تعلق ہرگز نہیں ہے وہ خدا اس کی دنیا سے نکل چکا ہے اور تب ہی پھر وہ آتا نہیں۔ ایسا شخص لاکھ آوازیں دیتا رہ جائے خدا اس کی دنیا میں نہیں آتا کیونکہ اس کی آواز اس کو پہنچتی نہیں۔ پس بکلّی خدا سے تعلق توڑ بیٹھنا ایک اتنا خطرناک مضمون ہے کہ جو روزمرّہ زندگی میں درپیش آنے کے باوجود ہم سوچتے نہیں ہیں کیونکہ تعلق جب ٹوٹے تو ٹوٹتے ٹوٹتے، ٹوٹتا ہے۔ جڑے تو جڑتے جڑتے جڑتا ہے ہم نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا رخ ٹوٹنے کی طرف آگے بڑھ رہا ہے یا جڑنے کی طرف آگے بڑھ رہا ہے اتنا سا شعور ہے

جس کے پیدا ہونے سے آپ کتنی بڑی خطرناک ٹھوکروں سے بچ سکتے ہیں۔

پس اس بات کو سمجھانے کی خاطر یہ ساری میں نے تمہید باندھی ہے خدا سے بکلّی تعلق نہ ٹوٹ جائے اگر یہ ٹوٹا تو کچھ بھی نہیں رہے گا اور بکلّی تعلق تب نہیں ٹوٹے گا جب آپ نگاہ رکھیں گے کہ آپ کا تعلق ٹوٹ رہا ہے یا مضبوط ہو رہا ہے، بڑھ رہے ہیں اس کی طرف یا اس سے دور ہٹتے ہیں۔ دور ہٹتے ہوئے بھی جہاں یہ شعور پیدا ہو گیا کہ ہم نے بہت کچھ کھو دیا ہمیں واپسی چاہئے وہیں سے واپسی کا رستہ شروع ہو جائے گا، وہیں سے مغفرت کا مضمون شروع ہو جائے گا لیکن اگر اتنی تاخیر ہو جائے کہ معاملہ حد سے بڑھ جائے تو پھر آپ کا تعلق ٹوٹ چکا ہوگا، آپ کو وہم میں بھی نہیں آئے گا کہ آپ کیا کھو بیٹھے ہیں اور اس وقت پھر خدا سے دوری کی لذّتیں شروع ہوتی ہیں، انسان آزاد ہو جاتا ہے وہ کہتا ہے میں ہی مالک ہوں میں سب کچھ ہوں پھر جو کچھ ہو وہ کر گزرتا ہے۔ اگر حاکم ہے تو ایسا خود مختار حاکم ہے ایسا ڈکٹیٹر بن کے ابھرتا ہے کہ اس کے لئے ہر فعل جائز ہے۔ اگر وہ ملازم ہے تو بددیانتی میں اس کے مالک کے معاملات میں ظالمانہ طور پر تصرّف کے معاملے میں اس کو ذرّہ بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ حکومتوں کے ملازم دیکھ لیں اب ہمارے ممالک میں جہاں بدقسمتی سے بددیانتی زیادہ ہو گئی ہے وہاں یہی حال ہے۔ حکومت کے مال کو تو یوں سمجھتے ہیں اس کی کوئی حقیقت، حیثیت ہی کوئی نہیں اس میں سے وہی مال ہے جو ہمارا بن سکتا ہے باقی جائے جہنم میں کوئی پرواہ نہیں تو اکثر ان کا بن جاتا ہے اور ایسی حکومتوں کے خزانے جب خالی ہوتے ہیں تو اس میں اوپر سے لے کے نیچے تک سب شریک ہوتے ہیں، سب مجرم ہیں۔ وہ جو حکومت کر رہے ہیں وہ بھی مجرم ہیں، جو حکومت کی تمنا لئے باہر بیٹھے ہیں وہ بھی مجرم ہیں کیونکہ ہر ایک کی تمنا میں حکومت کو منفعت میں تبدیل کرنے کی نیت شامل ہوتی ہے ایسے لوگوں کا پھر کچھ بھی نہیں بنا کرتا۔ اس وقت یہ سوال نہیں ہوا کرتا یہ جائے تو فلاں آئے، اس وقت تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ یہ جائے گا بھی تو کیا آئے گا۔ یہ جائے یا وہ آئے یا وہ جائے اور یہ آئے ایک ہی بات کے دو نام ہیں، کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔

پس اس مضمون کو اس عربی شعر پر میں اب ختم کرتا ہوں جو پہلے بھی سنا چکا ہوں لیکن امراؤ القیس کا یہ شعر بہت ہی گہری حکمتوں پر مبنی ہے اور لطف دینے والا ہے اس شعر کے حوالے سے آپ کو یہ مضمون یاد رہے گا وہ کہتا ہے:

أَلا اَیّھَا الُلَیل الطَّوِیلُ أَلا انُجَلی
بِصُبحِ وَمَا الاصُبَاحُ مَنُکَ بِأَمُثَلِ

کہ اے طویل رات، ظلم کی، اندھیروں کی، تکلیفوں کی ''انجلی'' روشن ہو جاؤ، دن میں تبدیل ہو جا لیکن ٹھہر ''الا ایھا للیل الطویل الا انجلی بصبح'' صبح میں بدل جا ''فما الاصباح منک بامثل'' لیکن میں کیا کہہ رہا ہوں وہ صبح جو آنے والی ہے وہ تجھ سے بہتر تو نہیں آئے گی۔ جو صبح آنے والی ہے وہ تاریک تر صبح ہے ہماری۔

پس وہ بدنصیب قومیں جن کا ہر انقلاب بدتر اندھیروں میں تبدیل ہو جایا کرتا ہے ان قوموں کو روشنی دینے کے لئے خدا نے ہمیں مقرر فرمایا ہے، ان کی کامل مایوسیوں کو مغفرت کی امیدوں میں تبدیل کرنے کے لئے خدا نے ہمیں مقرر فرمایا ہے۔ پس ہم نے صرف اپنا بوجھ نہیں اٹھانا ان بدنصیبوں کا بوجھ اٹھانا ہے جن کی تعداد، جن کی طاقت ہم سے بہت زیادہ ہے اور جن کے نزدیک ہماری کوئی بھی حیثیت نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کی زندگی ہم سے وابستہ کردی گئی ہے۔ آج خدا کے فضل سے ہم ہی ہیں اس مغفرت کے طالب جس کا ذکر یہاں موجود ہے اور جس مغفرت کے طالبوں کے سپرد خدا نے دوسروں کی مغفرت کے کام بھی فرما دیئے ہیں۔ پس ایسے ملکوں کے لئے، ایسی قوموں کے لئے خواہ وہ مغربی ہوں یا مشرقی دعائیں بھی کریں اور کوششیں بھی کریں کہ ان کو اپنے گناہوں کا احساس ہو جائے، یہ معلوم ہو کہ ہے تکلیف دہ بات، ہم جس راہ پہ چلے ہیں وہ اچھی راہ نہیں ہے پیشتر اس کے کہ وہ وقت آجائے جہاں سے کوئی واپسی نہیں ہوا کرتی۔ اگر ہماری دعائیں اور ہمارا توجہ دلانا ان کے اندر یہ شعور پیدا کردے تو پھر آخری کنارے سے پہلے پہلے یہ مڑ سکتے ہیں اور واپسی ممکن ہے۔

اللہ کرے ہمیں اپنی آخرت کو بھی محفوظ کرنے یعنی خدا کے فضل کی مغفرت کی چادر میں لپیٹنے کی توفیق ملے اور تمام بنی نوع انسان میں جہاں تک ہمارا اثر پہنچتا ہے ان سب کی بدحالت کو ایسی حالت میں تبدیل کرنے کی توفیق ملے جہاں سے مغفرت کا مضمون شروع ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین